# اسلام اور وطنیت

(۳)

از جناب مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی

**عصبیت وطن یا عصبیت جاہلیہ** دنیا کے تعلقات نفس کو نہایت مرغوب ہوتے ہیں، اس لیے شیطان انسان کو اس کے اصلی مقصد سے بیگانہ کرنے کے لیے ہمیشہ انھیں تعلقات کو آلۂ کار بناتا ہے اور جب موقع پاتا ہے ان کے مضبوط لیکن خوبصورت جال پھینک کر خدا کے بندوں کو گرفتار کر لیا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد اسلام کے راستہ میں جتنی رکاوٹیں پیش آئیں، قریب قریب وہ سب کی سب اسی وجہ سے تھیں کہ اسلام نسل و وطن کے تعلق کو دین کا تابع بنانا چاہتا تھا اور حزب الشیطان کے لوگ اس تعلق کو دین پر مقدم رکھتے تھے۔ مدینہ کے منافقین جن کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے، نسلی و وطنی تعصب ہی کی بنا پر اسلام کے دشمن تھے، اور شیطان نے ان کے قلب پر یہ الہام کر دیا تھا کہ اگر اسلام کو کوئی چیز مٹا سکتی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان نسلی و وطنی امتیاز پیدا کر دیا جائے۔ عبد اللہ ابن اُبی اور اس کی پارٹی کے لوگوں نے ایک دفعہ نہیں بلکہ مسلسل کئی سال اسی حربے سے کام لینے کی کوشش کی تاکہ اس نئی قومیت کا خاتمہ کر دیا جائے جو دین کی بنیاد پر پیدا ہو رہی تھی، اور مدینہ والوں کو متفق کر کے مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین کو نکال باہر کیا جائے۔ اگر رسول اللہ کی ذات مبارک نہ ہوتی تو اسلام کی شہ رگ اس شیطانی حربہ سے ابتدا ہی میں کٹ گئی ہوتی۔

ایک مرتبہ منافقین کی اس اندرونی شر انگیزی نے نہایت نازک صورت اختیار کر لی۔ غزوہ بنی المصطلق کے

بعد لشکر مجاہدین ایک کنویں کے قریب خیمہ زن تھا۔ اتفاقاً ایک انصاری (سنان) اور ایک مہاجر (جہجاہ ابن مسعود) کے درمیان پانی پر جھڑپ ہو گئی۔ مہاجر نے انصاری کو تھپڑ کھینچ مارا۔ انصاری نے یا للانصار کا نعرہ لگایا۔ مہاجر نے اپنے وطنی بھائیوں کی دہائی دی۔ قریب تھا کہ وطنیت کی عصبیت رنگ لائے اور اسلام کی ملی اجتماعیت وطنی حمیت پر قربان کر دی جائے کہ رسول خدا کو اطلاع ہو گئی اور آپ نے فوراً موقع پر پہنچ کر دونوں فریقوں کو سخت سرزنش کی۔ اس وقت آپ نے جو تقریر کی اس کا یہ فقرہ قابلِ غور ہے کہ "یہ کیسی جاہلیت کی آواز تھی جو تمہاری زبانوں سے نکلی؟" مطلب یہ تھا کہ اسلام کی نگاہ میں انصاریت اور مہاجریت کی بنا پر گروہ بندی کرنا محض جاہلیت ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں منافقین کے لیڈر عبداللہ بن اُبَیّ نے انصار کو مخاطب کر کے بار بار جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ "دیں! یہ غیر ملکی اب اتنے حوصلہ مند ہو گئے کہ ہم پر اور ہمارے اہلِ وطن پر زیادتیاں کریں؟ ہمارا یہی وطن مصیبت میں ان کے لیے پناہ گاہ بنا، ہمیں نے ان ننگے بھوکے ذلیل لوگوں کو کھانا کپڑا دیا، اور اب یہی ہمارے منہ آتے ہیں۔ خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر ایسے ناشکرے اور بے قدر مجرموں کو اپنے کیے کی سزا دی جائیگی اور انہیں حدودِ مدینہ سے نکال باہر کیا جائیگا۔ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ——— رسول خدا کے الفاظ اور ابن اُبَیّ کے الفاظ کا مقابلہ کر کے دیکھو، اسلام اور جاہلیت کا فرق تمہیں صاف نظر آجائیگا۔

**وطن کا احترام** عرب اپنی نسلی، قومی اور وطنی عصبیت کے لیے ضرب المثل تھے۔ اگر کسی قبیلہ کی ایک ادنیٰ سی ہتک ہو جاتی تو وہ سارے ملک کو جنگ اور خونریزی کی آگ میں جھونک دیتا۔ اور قریش کا غرورِ نسل و وطن تو موافق و مخالف سب کے نزدیک نہ صرف معلوم و مشہور تھا بلکہ قابلِ احترام بھی تھا کہ وہ بیت اللہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ لیکن جب اسی مقدس وطن نے رسول اللہ کی اور دین الٰہی کی راہ میں روڑے اٹکائے تو آپ نے ان تمام عصبیتوں کو، جن سے بڑھکر عرب کی سرزمین میں اور کوئی شے قطعی الحرمت اور عزیز نہ تھی، بالائے طاق رکھ دیا اور مدینہ کے غیر وطنیوں کو لے کر خود اپنے اہلِ وطن پر حملہ کیا، اور اس طرح ساری دنیا کو اس حیرت انگیز

انقلابی عمل کے ذریعہ سے بتلا دیا کہ حق کے احترام کے مقابلہ میں وطن کے احترام کی کیا حیثیت ہے۔

**عصبیت وطن کی بنا پر لڑنا قتال فی سبیل الطاغوت ہے**

صلح و جنگ کے متعلق اسلام کا ایک خاص نظریہ ہے۔ وہ جنگ کی دو قسمیں قرار دیتا ہے ایک کو جہاد فی سبیل اللہ اور دوسری کو جہاد فی سبیل الطاغوت کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ پہلی قسم کی لڑائی مومن لڑتا ہے اور دوسری قسم کی کافر۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (نساء - ۱۰)

اسی نقطۂ نظر کے مطابق میدان میں قتل ہونے والے بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں لڑنے والا شہید اور ناجی ہوتا ہے اور طاغوت کی راہ میں لڑنے والا ملعون اور جہنمی۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے اور جہاد فی سبیل الطاغوت کیا چیز ہے۔ احادیث میں ایک شخص کا قصہ مذکور ہے جس کا نام قزمان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں پیش گوئی فرمائی تھی کہ یہ جہنمی ہے۔ جنگ احد میں اس نے کفار کے خلاف بڑی بے جگری کے ساتھ قتال کیا تو صحابۂ کرام کو حیرت ہوئی کہ جو شخص جہاد میں ایسی جانفروشی دکھاتا ہے، حضور اس کو جہنمی کس طرح فرماتے ہیں۔ مگر جب وہ جنگ میں زخمی ہو کر گرا اور مرتے ہوئے اس نے خود اقرار کیا کہ میں نے قومی و وطنی حمیت کی خاطر جنگ کی تھی، تو صحابہ کا تعجب رفع ہو گیا اور حقیقت ان پر کھل گئی کہ اسلام کی نگاہ میں غازی یا مجاہد صرف وہ شخص ہے جو محض حق کی خاطر تلوار اٹھائے اور شہید اور سعادت اخروی کا مستحق صرف وہ ہے جو اقامتِ عدل، دفع ظلم اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بغیر کسی مادی منفعت کی طمع کے، لڑ کر مارا جائے۔ یہی ایک داعیہ ہے جو ایک سچے مسلمان کو میدان جنگ میں لے جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جتنے محرکاتِ قتال ہیں سب اہلِ کفر کے لیے ہیں۔ اگر ایک مسلمان ان غیر اسلامی محرکات میں سے کسی محرک کے اشارہ پر آمادۂ پیکار ہوتا ہے تو اسکی جنگ جاہلیت کی جنگ ہے اور اسکی موت جاہلیت کی موت۔

وطن کا جانباز حمایتی، اور جہنمی! صنم وطنیت کے عقیدت کیش اس تلخ حقیقت کو باور کرنے کے لیے

دل و دماغ کہاں سے لائیں گے ؟ موجودہ دور میں، جبکہ وطن پرستی کی آواز بازگشت تہذیب نو کے ایک ایک درو دیوار سے آ رہی ہے، اس غیر مانوس اور باغیانہ نظریہ کے وجود کا کون اعتراف کریگا؟ مگر جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور جو تسلیم کرتے ہیں کہ لفظ "مسلمان" کے معنی رسول عربی کے متبع اور قرآن کے پیرو کے سوا اور کچھ نہیں ہیں، وہ ان واقعات پر غور کریں جو وطن کے بارے میں اسلام اور جاہلیت دونوں کے نقطہ ہائے نظر کو بالوضاحت الگ الگ بیان کر رہے ہیں۔ یہ اسلامی تاریخ کے مشہور اور مسلم واقعات ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ " فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ " کی وسعت اور ہمہ گیری حیات مسلم کے تمام گوشوں پر بالکلیہ محیط ہے، اور اسکے مقابلہ میں حب وطن کو اسلامی زندگی کے کسی شعبہ پر بھی فرمانروائی کرنے کا حق نہیں دیا گیا ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے انسانی زندگی کے لیے جو ضابطۂ حیات مقرر کر دیا ہے (جسے "اسلام" یا "عبادت الٰہی" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس کے دائرہ سے تمدنی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، عمرانی، غرض زندگی کا کوئی شعبہ بھی خارج نہیں) اس میں کسی حمیت اور کسی عصبیت کی گنجائش نہیں بجز ایک حمیت دینی اور عصبیت اسلامی کے۔ اس ضابطہ کی روح سے بیگانہ ہو کر یا اس کے نظریات سے علٰحدہ ہو کر جو قدم بھی اٹھے گا "فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ" کے خلاف ہی اٹھے گا۔ وَذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ

**وطن پرستی اور اسلام کا فلسفۂ اجتماعیت** ایک اور پہلو سے اس مسئلہ پر نگاہ ڈالیے۔ اسلام نے زمین کی ساری آبادی کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔ مدار تقسیم کوئی حسی اور مادی شے نہیں بلکہ ایک معنوی چیز ہے یعنی قرآن پر مکمل ایمان۔ جو جماعت اس پر ایمان لاتی ہے اس کا نام حزب اللہ ہے اور جو اس کی صداقت سے انکار کرتی ہے اس کا نام حزب الشیطان۔ ان میں سے ہر جماعت خواہ اس کے افراد زمین کے کتنے ہی دور دراز خطوں اور رنگ، نسل، زبان اور طریقہ ہائے بود و ماند کے کتنے ہی بے شمار طبقوں میں منقسم ہوں، اسلام کے نزدیک ایک برادری اور ایک گروہ ہے۔ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ

اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ میں اسی حقیقت کا اعلان ہے اور الکفر ملۃ واحدۃ اسی نظریہ کا ترجمان۔ ان دونوں جماعتوں کا نظریہ حیات اور مطمح نظر بالکل ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے اسی لیے ان کی زندگیوں کا اصول اور ضابطہ بھی مختلف جہتیں اختیار کیے ہوئے ہوتا ہے۔ ملت اسلامی سے باہر جو لوگ ہیں، قرآن ان کے ساتھ احسان کرنے کی تعلیم دیتا ہے بشرطیکہ وہ آئین اسلام اور خلافت الٰہی کے قیام میں روڑے نہ اٹکائیں۔ لیکن وہ ان لوگوں سے کسی میل ملاپ کی اجازت نہیں دیتا جو قانون خداوندی کے دشمن اور اس قانون کی حکومت قائم ہونے میں مزاحم ہوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ وطنی رشتہ کیا معنی، اگر خونی رشتہ بھی ہو تو قرآن اس کو قطع کر دینے کا حکم دیتا ہے:

| | |
|---|---|
| یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ الخ (توبہ - ۳) | اے ایمان والو اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں اپنا ولی اور دوست نہ بناؤ۔ |

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی جماعت ایمان رکھتی ہو اور پھر خدا کے دشمنوں سے دشمنی نہ رکھتی ہو، چاہے وہ دشمنان الٰہی اس کے قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

سورۂ توبہ اور آل عمران کو پڑھیے۔ ایسے معاندین حق سے کیسی صریح بے تعلقی کا مطالبہ قدم قدم پر کیا گیا ہے۔ مدینہ سے ہجرت کر آنے کے بعد بھی بعض مسلمانوں کو وطن اور قبیلہ کی محبت بے چین کر دیا کرتی تھی۔ بارہا ایسا ہوا کہ ان کے ہاتھوں سے ضبط اور عزم و ثبات کا دامن جاتا رہا اور وہ چوری چھپے اپنے اعزہ و اقارب سے ملتے جلتے رہے۔ سورۂ توبہ میں مسلمانوں کو بار بار اس کمزوری پر تنبیہ کی گئی اور صاف کہدیا گیا کہ اگر خدا کی محبت پر ان تعلقات دنیوی کی محبت تمہارے نزدیک قابل ترجیح ہے تو خدا کے انتقام کے لیے تیار رہو۔

اس بحث (اسلامی فلسفۂ اجتماع) پر یہاں تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع نہیں، لیکن اجمالی طور پر اس کا خلاصہ یہی ہے جو ان محدود لفظوں میں بیان ہوا۔ اس کی روشنی میں وطن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیے۔ کیا

وطن پرستی اور اسلام کا اجتماع ممکن ہے؟ اگر وطنی عصبیت کو اسلامی نظام اجتماع میں ذرا سا بھی دخل دے دیا جائے تو کیا یہ نظام ایک لمحہ بھی زندہ رہ سکتا ہے؟ اسلامی نظام کی اساس، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، ایک خالص غیر مادّی شے پر ہے۔ لیکن وطن کی عصبیت اس کے بالکل برعکس ایک حسّی اور مادّی چیز کا نام ہے اسلام ایک بین الاقوامی سسٹم ہے لیکن وطن پرستی بین الاقوامیت کی موت ہے۔ اسلام نے سارے بنی آدم کو بحیثیت اصل ایک برادری قرار دیا، ان کے اندر سے وطنی، لسانی، نسلی اور لونی امتیازات کے جاہلانہ تصورات کی بیخ کنی کی، ہمالہ سے اونچے پہاڑوں اور بحر الکاہل سے وسیع تر سمندروں تک سے انسانی آبادی کی تقسیم کا حق چھین لیا۔ لیکن وطنیت سطح ارضی کے ہر اونچے ٹیلے اور پانی کے ہر چوڑے دھارے کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ انسانیت کو تقسیم کر دے۔ اسلام کی پکار ہے کہ ایک جاپانی اور ایک چینی دونوں باہم بھائی بھائی ہیں اگر لا الٰہ الا اللہ پر دونوں کا اعتقاد ہے۔ وطنیت کہتی ہے کہ ہرگز نہیں، سمندر کے ایک حصے نے جب دونوں ملکوں کو جدا جدا کر دیا ہے تو ایمان و اعتقاد کی ہم آہنگی اس جدائی کو دور نہیں کر سکتی۔ جاپانی وطن پرست کے نزدیک جاپان کی حرمت اور عصبیت ساری کائنات سے زیادہ گرانقدر ہے اس لیے وہ اس کی فلاح کے لیے ساری کائنات اور کائنات کے سارے اصول و نظریات قربان کر سکتا ہے۔ اسی طرح چینی وطن پرست کے نزدیک چین ہی ساری عظمتوں اور قدوسیتوں کا مرکز ہے اور حق و عدل صرف اس چیز کا نام ہے جو چین کی سربلندی اور خوشحالی کا ذریعہ بن سکے۔ اس بنا پر ایک چینی ایک جاپانی کا دوست اور بھائی کبھی نہیں بن سکتا۔ جب ہونگے ایک دوسرے کے مخالف اور خون کے دشمن ہی ہونگے اور اگر ملینگے بھی تو محض خود غرضی سے۔ کیا اس سے صاف طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام اور وطن پرستی میں مصالحت ناممکن ہے؟ شجر اسلام اس وقت تک سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وطن پرستی کے خون سے اس کی آبیاری نہ کی جائے۔ اور وطن پرستی کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی قربان گاہ پر اسلام کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے۔

**حب الوطن من الایمان کی حقیقت** ایک مسلمان کو اپیل کرنے والی سب سے بڑی چیز اگر کوئی ہے تو وہ رسول پاک کی ہدایت ہے۔ مادہ پرستی کے ائمہ نے جب مسلمانوں میں وطنیت کے مہلک جراثیم کو پھیلانا چاہا تو نہایت بے باکی سے حب الوطن من الایمان کی "حدیث" گھڑ لائے اور اس سنتِ غرب کو سنتِ رسول کی حیثیت سے مسلمانوں میں براڈکاسٹ کرنے لگے۔ اصول روایت کو چھوڑیے کہ اس دور تجدید میں "اگلے وقتوں" کی "بکواس" کون سنتا ہے۔ عقل سلیم اور اصولِ درایت ہی کی کسوٹی پر کس کر دیکھیے کہ آیا اس چمکتی ہوئی چیز میں سو فیصدی کھوٹ کے علاوہ کوئی اور شے بھی ہے؟ شاید اوپر کی تمام تصریحات کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ سورج کو تھوڑی دیر کے لیے تاریک سمجھ لینا ممکن ہے لیکن حب وطن کو جزو ایمان سمجھنا کسی طرح ممکن نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہماری بدقسمتی سے ہمیں میں ایسے خود فریب اور جہل نواز انسان پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی زبان اور قلم سے اس مادہ پرستانہ فقرہ کو دہرایا کرتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ اُس دین میں جسے محمد رسول اللہ صلعم نے ہم تک پہنچایا ہے اس جاہلی تصور کا کوئی دُھندلا سا نشان بھی نہیں مل سکتا۔ اسلام نے تو تمام تعلقات دنیوی کی طرح حب وطن کو بھی ایک فتنہ قرار دیا ہے اور بوقت ضرورت اس فتنہ سے صحیح سلامت نکل آنے اور اس تعلق کو اپنے مصالح پر قربان کر دینے ہی کو ایمان کی نشانی قرار دیا ہے۔ یہ قربانی نہ صرف پیغمبر آخر الزمان اور ان کے متبعین سے طلب کی گئی بلکہ کلام اللہ کی روایت کے مطابق قریب قریب تمام انبیاء کو اس آزمائش سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ پھر اگر حب وطن جزو ایمان ہے تو کیا ایمان کی خاطر ایمان کی قربانی مانگی گئی تھی؟ کیا حب الوطن من الایمان کے معلمین اس انوکھی منطق کی کوئی مثال ممکنات کی دنیا میں پیش کر سکتے ہیں؟

**خلاصۂ بحث** ان پھیلے ہوئے مباحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

تمام مادی تعلقات اور بشری جذبات کی طرح وطنی تعلق بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس سے نہ اسلام کو اختلاف ہے نہ کفر کو۔ ہر شخص کو اپنے وطن کے ساتھ ایک فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ اسلام اس لگاؤ کو وہی حیثیت دیتا ہے جو دیگر دنیوی روابط کو۔ جس طرح دیگر دنیوی روابط اجزائے ایمان نہیں ہیں اسی طرح

حبِ وطن بھی جزوِ ایمان نہیں۔ وطن کو دیگر قطعاتِ ارضی کے مقابلہ میں بس اُتنی ہی ترجیح حاصل ہے جتنی اپنے صاحب ایمان خویش و اقارب کو دیگر اہلِ ایمان کے مقابلہ میں۔ جس طرح کسی شخص کی کوئی روش محض اس وجہ سے مستحق نہیں شمار کی جا سکتی کہ وہ اس کے بیوی بچوں کی محبت اور مصلحت کے مطابق ہے اسی طرح اسلام کی نگاہ میں کوئی کام صرف اس خیال سے قابلِ ستائش نہیں ہو سکتا کہ وہ مصالح وطن کے موافق ہے۔ جس طرح انسانی فطرت کا لحاظ کر کے اور تمدنی و معاشرتی مصالح کے پیش نظر قرآن کا حکم ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں، پڑوسیوں اور ہم وطنوں کے ساتھ احسان اور صلۂ رحمی کرو، اسی طرح وطن سے محبت کرنے اور اس کی ترقی اور قدر افزائی میں دلچسپی لینے سے بھی اسے کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن جس طرح کسی قریب ترین عزیز حتیٰ کہ والدین[1] تک کے تعلق کو اس امر کا مجاز نہیں گردانا گیا ہے کہ وہ اسلامی نظام اور اس کے اصول و نظریات میں رخنہ انداز ہو، اسی طرح حُبّ وطن کو بھی اس عظمت کا مستحق نہیں سمجھا گیا ہے کہ وہ اس نظام کی تشکیل میں مشورہ دے سکے، اور اگر خدانخواستہ کہیں یہ محبت انسان کے سبب فتنہ

[1] قرآنی اسلوب بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک تمام دنیوی رشتوں میں والدین کا رشتہ سب سے زیادہ قوی اور لائق اعتنا ہے، چنانچہ اکثر مقامات پر توحید کی تعلیم کے بعد ہی وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو) کے الفاظ آئے ہیں۔ جس سے اشارہ مقصود ہے کہ اگر معبود حقیقی کے بعد کسی ذات کو انسانی تعظیم کا کچھ بھی حق حاصل ہو سکتا تو والدین کی ذات ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے انسان کے خالق مجازی ہیں۔ لیکن جب دنیوی نقطۂ نگاہ سے اس سب سے بڑے تعلق کو بھی انسانی پرستش کا حق نہیں حاصل ہے تو تا بدیگراں چہ رسد۔ دیکھو اس اسلوبِ بیان نے کس قدر بلیغ انداز اور مسکت دلیل کے ساتھ شرک کی نفی کی ہے۔ چنانچہ اس احسان بالوالدین کے حکم کے بعد ہی ہدایت ہوتی ہے کہ اگر وہ خدا کے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیں اور تم کو اس کی خالص عبادت سے پھیر دینا چاہیں تو ہرگز اطاعت نہ کرنا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (عنکبوت - ۱) پھر اگر خالق مجازی کو، کہ اس کا تعلق قرآن کے نزدیک تمام تعلقات دنیوی پر واقعی فوقیت رکھتا ہے، یہ حق نہیں پہنچتا کہ خدا اور انسان کے تعلق پر اثر انداز ہو سکے تو حبِ

وطن کے بارے میں یہ گمان کیوں ہونے لگا کہ اس کے (۳۴۲) مصالح کے لیے اسلامی نظام کی قطع و برید گوارا کی جا سکتی ہے؟

بن کر اس کو نظام اسلامی کا خالص حلقہ بگوش بننے سے روکتی ہو تب تو فرض ہو جاتا ہے کہ اس کو دل سے نکال پھینکا جائے اور خدا پرستی کے لیے زمین کا کوئی اور گوشہ تلاش کیا جائے۔ کیونکہ حقیقت میں تو ایک سچے مسلم کا واقعی وطن ساری کائنات ہے۔ وہ کسی خاص خطۂ ارض سے محبت کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ ایک مشن کی تکمیل کے لیے اس سطح خاک پر آیا ہے یعنی یہ کہ خدا کی زمین پر صرف خدا کے قانون کی اطاعت (عبادت الہٰی) کی جائے۔ لہٰذا وہ مجبور ہے کہ اپنی محبت اور عداوت کو اور اپنے سارے جذبات کو قانون خداوندی کا تابع بنا کر رکھے۔ اگر اس کی دوستی یا دشمنی اس قانون کی حدود سے متجاوز ہو گی تو وہ اسلام کے ساتھ جاہلیت کی آمیزش کرنے کا مرتکب ہو گا۔

---


# ہندو مسلم سوال کا واحد حل

## ایک خیر خواہ وطن کے قلم سے

یہ ایک قابل دید پمفلٹ ہے جس میں ہندوستان کے بین الاقوامی سوال پر مدبرانہ تبصرہ کر کے اس کا صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اردو، انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا گیا ہے مفت منگائیے اور اپنے غیر مسلم دوستوں تک پہنچائیے۔

صرف محصول ڈاک کیلیے تین پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیے اور جو حضرات اردو انگریزی دونوں نسخے منگانا چاہیں وہ پانچ پیسے کے ٹکٹ بھیجیں:۔

دفتر رسالہ پیغام حق ماتا چبوترہ لاہور